عقیدہ نوائی

لاریب

نصیر ترابی

بسم الله الرحمن الرحيم

عقیدہ نوائی

لاریب

نصیر ترابی

بیت الابیات

من کہ در فرطِ تجسّس زعقیدہ بالغیب
گاہی خود رفتہ شُد و گاہی رسیدہ لاریب

نصیر ترابی

اَحسنُ الانتساب

بگو نصیر، شما از خدا چہ می خواہی
ز طیبہ و نجف و کربلا، چہ می خواہی

نصیر ترابی

کتاب تفصیل

سرنامہ .... لاریب

معروض .... عقیدہ نوائی

نوامند .... نصیر ترابی

صلاح کوش .... ڈاکٹر ہلال نقوی - ڈاکٹر آفتاب مضطر

سلسلہ بندی .... ڈاکٹر خورشید عبداللہ

حرف آہنگی .... عبیدالرحمٰن عبید

حرف بینی .... ڈاکٹر عدنان زیدی

اشاعتی شمارہ .... اوّل

تقویمی حوالہ .... جنوری ۲۰۱۷ء

طباعت گاہ .... المجاہد پرنٹرز

ناشر .... پیراماؤنٹ بکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

رابطہ کار .... راشد ترابی - ۸۳۵۰۲۳۳ - ۰۳۰۰

مبادلہ .... تین سو روپے

تارِنفس

☆☆☆☆☆

اِنَّ الحَمدَ

رہا قصّۂ بیش و کم سوا، تو خیال تیری طرف گیا
کہیں بے رسد جو ہدف ملا، تو خیال تیری طرف گیا

کسی رنگ سے جو مہک اُڑی، دل الجھ گیا کسی شاخ میں
کسی گُل کا رزقِ نمو کھلا، تو خیال تیری طرف گیا

کسی چشمِ نم کے سکوت سے کوئی حرفِ خشک چمک اُٹھا
کوئی صدمہ جب ہُوا لب کُشا، تو خیال تیری طرف گیا

رُخِ صبح جب ہُوا آئنہ، کبھی غم کے عکس تھے رُوبرو
ہُوا شدتوں کا جو سامنا، تو خیال تیری طرف گیا

ہُوا جبر کوئی ادا ادا تو عجب عجب سے گماں ہُوئے
اُٹھا صبر کوئی پئے دُعا، تو خیال تیری طرف گیا

رہی وہ حکایتِ دل بہ دل کہ خود اپنا دھیان نہیں رہا
ہُوئے بے خیال سَب آشنا، تو خیال تیری طرف گیا

وہی روز و شَب کی قیامتیں وہی آئے دِن کی ضرورتیں
جو ضرورتوں نے تھکا دیا، تو خیال تیری طرف گیا

وہی سوگواہیاں سُو بہ سُو، وہی کم پناہیاں کُو بہ کُو
جو بہت بہت مِرا دل دُکھا، تو خیال تیری طرف گیا

مِرے حوصلے تھے کمال کے نہ بنے قرینے سُوال کے
مَیں کسی سے حال نہ کہہ سکا، تو خیال تیری طرف گیا

چلے ایسے اپنی ترنگ میں کہ گیا نہ دل تری سمت بھی
ہوئی ہر اُمید[1] شکستہ پا، تو خیال تیری طرف گیا

---

[1] (عَرَفْتُ رَبِّی بِفَسْخِ الْعَزَائِمْ)
میں نے عزائم کے فسخ ہو جانے سے اپنے رب کو پہچانا۔ حضرت علیؑ

☆☆☆☆☆

شُکراً کَثِیرَا

خداوند بود و خداوند هست
سپاس ای نگه دارِ بالا و پست

بمن کارِ تابنده بخشوده ای
نفس با مودت برآوُرده ای

برایِ نسبتِ مهربانی، دُرُود
برایِ وسعتِ زندگانی، دُرُود

دہن دادہ ای تا ثنایش کنم
قلم دادہ ای تا ستایش کنم

تو دادی بمن طبع سرشار را
زبان و بیانِ ہنر بار را

بہ مہر تو رخشندگی حاصلم
بہ توفیق تو شاعری حاصلم

بہ اذنِ سخن برترم کردہ ای
خدایا تو نام آورم کردہ ای

☆☆☆☆☆

اِلتجائیہ سرگوشی

تو ہی واحد احد ہے، یکتا ہے
یہ جو سب کچھ ہے تیرا ہونا ہے

یہ جو سب کچھ ہے بس تجلّی ہے
کنزِ مخفی تھا، کنزِ مخفی ہے

حق بہ حق اے کہ تیری قدر قدیم
کون تیرا ہوا شریک و سہیم

تو ہمیشہ سے ہے، رہے گا ہمیش
تیرا ہونا ہے برتر از درپیش

میں ہوں مجبور، بے نیاز ہے تو
میں ہوں ناکارہ، کارساز ہے تو

عقل کی حد میں آ نہیں سکتا
فہم میں تو سما نہیں سکتا

تیرے ہونے کا اس قدر ہے وفور
ذرّہ ذرّہ ہے عرصہ گاہِ طور

لائقِ بندگی ہے تیری ذات
کلمہ گستر ہیں سارے موجودات

جتنی توصیف ہو تری کم ہے
نفسِ انفس تو نورِ عالم ہے

ہر شجر کی نمود تجھ سے ہے
باغ میں ہست و بود تجھ سے ہے

دل سے نزدیک ہے خرد سے دور
کون دیکھے تجھے کہ نور ہے نور

درک کرنا تجھے ہوا ہے محال
ہے رسائی تو ایک امرِ محال

گرچہ تو ہے رگِ گُلو سے قریب
دوست سے اور ہر عدُو سے قریب

مَیں کہ ہوں مُبتلائے وہم و گماں
مجھ سے مُمکِن نہیں ترا عِرفاں

اُن کے آثار میں ہے تیرا نُور
وہ جو ہیں ناشرانِ رُشدِ غفُور

ہے حدیثِ جَلی مُسَلّم اِک
ما عرفناک حق معرفتک

کِس کو ہے عینِ معرفت حَقّا
زدنی علما ہے وِرد کس کی دعا

تیری وحدت میں کتنی کثرت ہے
چشمِ بینا شہیدِ حیرت ہے

ہر طرح کے نِشان سے بالا
شان تیری ہے ارفع و اعلا

ہر قدم پر وُرودِ رحمت ہے
ہر نفس پر نُزولِ نعمت ہے

تو ہے خود اپنے آپ سے آگاہ
دائماً لا الٰہ الاّ اللہ

سوچتا ہوں تو اک قیامت ہے
اپنی گزران پر ندامت ہے

دی جو مُہلت تو خود نمائی کی
جیسے نمرود نے خُدائی کی

سلسلہ ہو سکا نہ طاعت کا
شوق رستا رہا عبادت کا

جس کو چاہے تو کامگار کرے
جس سے ناخوش ہو بے حصار کرے

عفو کر دے سیاہ کاری کو
دیکھ پلکوں پہ شرم ساری کو

عہدِ در عہد تا بہ ختمِ رُسُلؐ
وقت اُٹھاتے رہے ہیں کُل کے کُل

اِمتحاں لے کے مَرتبہ بخشا
وزن کو تول کر صِلہ بخشا

دو جہاں میں وہ خوش دوام ہُوئے
کچھ پیمبر تو کچھ امام ہُوئے

ہیں ہر اِک کے جُدا جُدا درجات
جس سے واقف ہے صِرف تیری ذات

جِس کو چاہے تو سَرفراز رکھے
برملا آشنائے راز رکھے

مُصطفٰےؐ کو بَہم ہوئی معراج
سَروروں کا بنا دیا سَرتاج

تیرے فرمان سے بہ رسمِ غدیر
سَب کے مولا ہوئے جنابِ امیرؑ

نور تیرا ہے جِس ادا سے محیط
تیری رَحمت اُسی طرح ہے بسیط

واسطہ اوّلِ دو عالَم کا
واسطہ ہے قیامِ خاتمؐ کا

یا خُدا بہرِ اعتبارِ علیؑ
یا خُدا بہرِ انتصارِ علیؑ

اہلِ بیتِ رسولؐ کی خاطر
لختِ قرآں، بتولؑ کی خاطر

واسطہ کربلا کے پیاسے کا
اپنے محبوبؐ کے نواسے کا

دور رکھ مجھ کو ہر خجالت سے
کر نہ مجبور اپنی رحمت سے

عبد تیرا نصیر ہو جائے
سجدگی ناگزیر ہو جائے

☆☆☆☆☆

لَاَدرِیٰ

ای خُدائی کہ در تو حیرانم
کیستی، چیستی نمی دانم
اہلِ دانش کہ نازشِ بشرند
بخدا از خُدائی بے خبرند
سخن عارفاں زِ فکرِ زعیم
ہست نزدیک تر بعقلِ سلیم
کہ خُدا شاہدیست ہرجائی
لیک رُخ بستہ از تقاضائی
آخر کردی زمقدرت قدری
کہ رسیدم بہ نزدِ لا ادری

☆☆☆☆☆

نفسِ جبرئیل

(اقبال کی خدمت میں نذرِ تضمین)

غمِ دو چند کو تا چند بے نوا رکھوں
کہیں ہے سازِ دگرگوں، کہیں ہے سوزِ دروں
بہا کے لے گئے مکتب کو دجلہ و جیحوں
وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبرئیلؑ دے تو کہوں

ہنر گرفتہ ہی یاں جزیۂ ہنر دے گا
شکستنی کو بھی اسلوبِ شیشہ گر دے گا
کشادہ ظرفِ تہی دست کیسے بھر دے گا
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

وصال کیا ہے رفاقت کی شرطِ مطلوبی
فراق کیا ہے تلاطم کا زورِ مغلوبی
دوام کیا ہے زمانوں کی عصر مندوبی
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

پسِ حجاب ہیں وہ جستجو روی دے کر
سکوتِ غیب کو آہنگِ دلبری دے کر
کرم دراز کیا قرضِ آگہی دے کر
عجب مزہ ہے مجھے لذّتِ خودی دے کر
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں

مقامِ بامِ جزا و رسائی فہمیِ فوق
متاعِ دردو سرشتِ وفا و طاعتِ طوق
گدازِ قلب و مئے ذات و خوش کناریِ ذوق
ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطوں

ہُوا ہے حکمِ سفر سمتِ نارسا سے مجھے
ہے انتہا کا بھی احساس ابتدا سے مجھے
کہو کہ کہنا ہے، نامِ خدا، خدا سے مجھے

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

مسافتاً یہ روش کم خرام ہے شاید
کہ اک آنچ کی پیہم، مدام ہے شاید
قوامِ ریشۂ اسباب خام ہے شاید

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُن فیکوں

☆☆☆☆☆

هُوَالشَّانُ

کل یہ دیدہ تھا اب شُنیدہ ہے
خُود رَسیدہ ، خُدا رسیدہ ہے

وہ ھوالشّان ہے بصد شایاں
اُس کی ہر شان اِک جریدہ ہے

یہ جو ہر رُخ ہے سلسلہ پاشی
غیب دستی کا سب کشیدہ ہے

کون مُدرِک ہُوا رسائی کا
ہر کوئی اُس کا آفریدہ ہے

کون محور ہے اِس کا دَر پردہ
یہ جو حبلِ المتیں عقیدہ ہے

وہی توحید پر گواہی دے
وہ جو سجدے میں سر بُریدہ ہے

ہو چکی ہے شہادتوں کو خبر
کبْ وہ نادیدہ کبْ وہ دیدہ ہے

خیر اندیش ہے مری گردش
گرم و سردِ وفا چشیدہ ہے

حرفِ تازہ سے تا بہ مدحتِ حق
میرے حصے کا حرف چیدہ ہے

حمد کاری میں یہ غزل ہے نصیرؔ
یہ بھی گویا کوئی قصیدہ ہے

☆☆☆☆☆

لحنِ تجلیات سُن، شورشِ ممکنات میں
قامتِ کاف و نون دیکھ، آئینۂ صفات میں

کس کی یہ کائنات ہے کون ہے اس کا مدّعی
کس کو ثبات چاہیے نغمۂ بے ثبات میں

نقش گہہِ وجود میں رنگ ہی رنگ بے دریغ
جلوہ رُخی ہے رخ بہ رخ جشنِ تغیرات میں

ذہنِ رسا نہ جا سکا حدِ مُعیّنات تک
کُن کی روش نہ رُک سکی راہِ مُعیّنات میں

جبتِ خرد نے کیا لیا جُنوں کے تخیلات سے
دل کی گرہ سے کیا گیا رہ کے یقینیات میں

گردشِ شوق میں رہا قسطِ غرض کا مرحلہ
صبر کو اجر مل گیا عشق کی مشکلات میں

خواب تو اُس کا خواب ہے، نیند تو اُس کی نیند ہے
اپنی بقا کو طے کیا جس نے بس ایک رات میں

حُسن کہے جو عیب کو بلکہ شہودِ غیب کو
کس کو یہ اذنِ اَمر ہے فصلِ تصرفات میں

واقفِ ہست و بود سے خلق کو یہ خبر ہوئی
آخر کار مرگ ہے زیست کے مُحسنات میں

وقت کڑا یہ آپڑا قافلۂ حجاز پر
دین نہیں ہے حق رسی، دین ہے رسمیات میں

ریگِ نواحِ نینوا مجھ کو اُڑا کے لے گئی
سیر کناں ہے آگہی عرصۂ شش جہات میں

گریۂ شب کے درمیاں آئی صدا یہ ناگہاں
دیدۂ تر کو سینت رکھ، دل کی تسلیات میں

شرع کی بندشوں میں ہے دعوتِ پیش و پس کہ بس
کام چلا دُرود سے اپنے تئیں نجات میں

حق کی نظر کفالتاً کسبِ کثیر ہے نصیرؔ
کافی ہے ایک شعر بھی دفترِ کلیات میں

☆☆☆☆☆

قصیدۂ لامیہ

بارکَ الخیر، قصیدے میں کھُلا بابِ غزل
محملِ نور سے اُتری کوئی رحمت بہ محل

سمتِ فاراں سے رواں جانبِ ارماں ساون
کشتِ ناخوش کا نصیبہ کہ چھما چھم جَل تھَل

ایسا آغاز کہ نعمت کا نمو سے آغاز
ایسی نعمت کہ دعا رچ گئی، گونجی کویل

لوحِ دل ہو گئی نیت سے کتابِ مُلہم
نعت لکھنے کو فراہم ہوا کلکِ صندل

"دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں"
فکرِ غالبؔ کی ہے چہکار سے جنگل منگل

فرطِ اقرار سے ہر طرح تمنا بیدار
شوقِ اظہار میں ہر آن طبیعت بیکل

خلق کو عقل کی دستک سے یہ مژدہ پہنچا
نورِ مرسل ہے تو پھر نور کا چشمہ مرسل

اُس کی رحمت کا وتیرہ ہے تجاوز بخشی
اُس کے ایمائے شفاعت میں نہیں ردّ و بدل

اُس کے مقیاسِ ولایت کا ہے پلّہ کونین
اُس کے میزانِ تمدن میں ہر اک تول اٹل

وہ ہے اللہ جمیل اُس کے بھی رخ ہیں کیا کیا
یہ جمیلوں کی جماعت میں جمیعاً اجمل

وہ ہے رحمٰن و رحیم اُس کی مشیت تمت
یہ فضیلت کے فضائل میں ہیں فضلاً افضل

وہ احد ہے اُسے واجب ہُوا واحد ہونا
اور محمد ﷺ ہیں وہ احمد کہ مُسلسل اکمل

رب کی رافت بھی وہ منزل ہے کہ بس اَو اَدنیٰ
رب ہے کُل خیر، محمد ﷺ ہیں اُسی خیر کا بَل

ہر نفس اسمِ محمد ﷺ کا وظیفہ رکھنا
اپنے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مُجمل

رکھ دُرودوں کے وسیلے سے مہذّب ورنہ
یہ عبادت وہ شجر جس میں کوئی پھول نہ پھل

جو بھی امکاں پسِ دورانِ عدم ہے موجود
تجھ پہ حاضر ہے وہ اَے ناظرِ انظارِ ازل

ترا ناخن تو فقط عُقدہ کشائی چاہے
اَے شہا ہو مرا ہر عُقدۂ دُشوار بھی حل

اپنے احوال کی واں جا کے دہائی دے نصیر
جس کے دَر کا ہے شرف، دافعِ آلام وخلل

☆☆☆☆☆

ذاور کے دوات اور قلم ، رحمتِ عالم
کونین ترا جاہ و حشم ، رحمتِ عالم

آفاق نفس کش ہیں تری گردِ سفر سے
امکان ترا نقشِ قدم ، رحمتِ عالم

محتاجِ اطلس رہی شاہوں کی شہی کو
کملی ہے ترا زادِ شیم ، رحمتِ عالم

ہاں ایک شعاعِ نگہِ مہر اِدھر بھی
اے روشنیٔ بامِ حرم ، رحمتِ عالم

دامن کا بھی کشکول میسّر نہیں اب تو
کاسہ ہے یہی دیدۂ نم ، رحمتِ عالم

میں نقطۂ پرکارِ فنا بستۂ عصیاں
تو خطِ ازل نقشِ اتم، رحمتِ عالم

اک دفترِ لغزش ہے کہ انبار ہُوا ہے
رحمت ہے کہ ہوتی نہیں کم، رحمتِ عالم

تجھ سے مجھے نسبت ہے تو انبوہِ زیاں کا
یکساں ہے وجود اور عدم، رحمتِ عالم

یہ فیل و فرس لعل و گہر کچھ بھی نہیں ہیں
کیا کچھ ہے کہ ایماں ہے بہم، رحمتِ عالم

نعتوں کی صفوں نے سرِ ہنگامۂ دوراں
پسپا کیا ہر لشکرِ غم، رحمتِ عالم

اب کیا ہے زر و زورِ نصیر اوّل و آخر
بس چشمِ کرم، چشمِ کرم، رحمتِ عالم

☆☆☆☆☆

وہ حُسنِ خُلق وہ لطفِ اَماں نہیں ملتا
بیانِ حُسن کو حُسنِ بیاں نہیں ملتا

وہ حرفِ نرم کرم گسترِ غریب و یتیم
کہیں یہ چارۂ بے چارگاں نہیں ملتا

وہ دستِ خیر کہ جس سے رفو ہو دامنِ غیر
یہ سلسلہ تو بدستِ شہاں نہیں ملتا

وہ قولِ صدق کہ تصدیق دل کرے جس کی
کہیں یہ حلقۂ روحانیاں نہیں ملتا

وہ شانِ عجز کہ جس نے یہ بات رد کی ہے
زمیں سے جھک کے کبھی آسماں نہیں ملتا

وہ ماہِ عزم وہاں بھی ستارہ لشکر ہے
کہ یوسفوں کو جہاں کارواں نہیں ملتا

وہ شہرِ علم کہ خیبر شکن ہو دَر جس کا
بصد نصابِ علومِ جہاں نہیں ملتا

وہ صبر و شُکر کہ میراثِ کربلا جس کی
مگر بغیرِ ہزار امتحاں نہیں ملتا

وہ رنگِ رزم کہ پرچم کشائے حق ٹھہرا
بزورِ تیغ و سپاہِ گراں نہیں ملتا

وہ عدل و داد کہ اُس جیسا دادرس بھی نصیرؔ
خُدا کے بعد کوئی مہرباں نہیں ملتا

☆☆☆☆☆

ورقِ دل پہ کوئی نعت لکھا چاہیے ہے
ایسی حسرت کو تقرّب بھی سوا چاہیے ہے
ظرفِ بینائی کو مظروفِ مُودّت مطلوب
وصفِ گویائی کو تاثیرِ ثنا چاہیے ہے
حرفِ مدحت ہو کچھ ایسا کہ وسیلہ کُھل جائے
ایسے ممکن کو فقط حُسنِ عطا چاہیے ہے

ناخنِ فہم کوئی رمز کریدے کب تک

اَب تو اسباب کے ریشم کا سِرا چاہیے ہے

چشمِ آشفتہ کو اک حدِ یقیں ہے درکار

دل بے راہ کو نقشِ کفِ پا چاہیے ہے

آنکھ نمناک ہو اور سانس میں اک اِسم کی رَو

زندہ رہنے کے لیے آب و ہَوا چاہیے ہے

مژدۂ غیب ہے اک خوابِ حضوری مجھ کو

اتنے امکان کے بعد اب مجھے کیا چاہیے ہے

اِس شب و روز کے آشوبِ مُسافت میں نصیرؔ

اب مدینے کی طرف بھی تو چلا چاہیے ہے

☆☆☆☆☆

مرا شہرِ دل مری راہِ جاں نگہ چراغِ منیر ہے
مرے حرفِ نعت کا سلسلہ کسی روشنی کی لکیر ہے

وہ زمین پر بھی ہے آسماں وہ مکاں میں بھی سرِ لامکاں
جو ہے ظلم خوردۂ دشمناں وہی رحمتوں کا سفیر ہے

کبھی پردۂ دل و چشم میں اُسے دیکھنا اُسے سوچنا
وہ ادائے خُلقِ عظیم کیا وہ عطائے خیرِ کثیر ہے

اِسی راہِ لطف و نجات میں اِسی بارگاہِ صفات میں
نہ امیر کوئی امیر تھا نہ فقیر کوئی فقیر ہے

ہمہ التجا و ہمہ طلب ترے در پہ ہے جو فغاں بلَب
وہی ذات جس کی حقیر تھی، وہی نام جس کا نصیرؔ ہے

☆☆☆☆☆

آخرشِ حُسنِ بعثت ہُوا کون ہے
کنزِ مخفی کی حجت ہُوا کون ہے

باعثِ رونقِ اعتبارِ ازل
تا ابد وجہِ نعمت، ہُوا کون ہے

اوّلُ الاوّلیں، آخرُ الآخریں
امرِ مُطلق کی حکمت، ہُوا کون ہے

وادیٔ کُن فکاں کا گُلِ ارمغاں
ابرِ اسبابِ نعمت، ہُوا کون ہے

شمعِ بزمِ رُسل محورِ جُزو و کُل
نورِ کثرت کی وحدت، ہُوا کون ہے

حق نوائی بھی ہے حق نمائی تلک
حق کی یکسر مشیت ہُوا کون ہے

وصلِ قوسین ہے رُویتِ آئینہ
دید و وادیدِ خلوت ہُوا کون ہے

ربِّ اسرار کے فضل و فرمان سے
کاروانِ شفاعت ہُوا کون ہے

ایسے احوال میں خستہ احوال میں
قلبِ مُضطر کی ہمت ہُوا کون ہے

وہ کہ برحق وکیل و نصیر اے نصیر
جُز محمدؐ سی رحمت ہُوا کون ہے

☆☆☆☆☆

صبر اب آہِ شرر بار ہُوا چاہتا ہے
درد بھی خوش ہے کہ اظہار ہُوا چاہتا ہے

سبزۂ مدح نے کیا خوب اُٹھائی ہے بہار
دل فقط دل نہیں، گلزار ہُوا چاہتا ہے

وصفِ توفیق سے مدحت میں بھی وسعت آئی
حرف گویا کوئی اخبار ہُوا چاہتا ہے

وِردِ رکھنے سے کوئی اِسم بصد ناز کھُلا
سہل ہر وقفۂ دشوار ہُوا چاہتا ہے

رسمِ آغازِ ولایت ہے وداعی خطبہ
حق کے اجرا کا یہ معیار ہُوا چاہتا ہے

اُن کی آمد سے میسّر ہوئی رحمت مجھ کو
اُن کا ہونا مجھے دلدار ہُوا چاہتا ہے

یہ جو اِک نورِ ازل ہے پسِ آفاق نصیرؔ
کئی پردوں سے نُمودار ہُوا چاہتا ہے

☆☆☆☆☆

مستانہ وار نعرہ زدم ، یا علیؑ بیا
ای آمر و امیرِ اُمم ، یا علیؑ بیا

ای صاحبِ الست و خبر گیرِ بود و ہست
ای شاہدِ شہود و عدم ، یا علیؑ بیا

از کعبہ تا بہ مسجدِ کوفہ بہر نفس
ای ضامنِ حریم و حرم ، یا علیؑ بیا

بعد از نبیؐ بزرگ توئی قصہ مختصر
ای وارثِ کتاب و قلم ، یا علیؑ بیا

ای ستم بانِ لنگر ہستی پنہ بدہ
ای دافعِ تلاطمِ غم ، یا علیؑ بیا

ہاشم نحیف و زار سرِ کوئے عاشقاں
اے خوش نگاہِ خیر و کرم، یا علیؑ بیا

خائف نیم زِ پرسشِ احوالِ بندگی
مستم چو وِردِ دم ہمہ دم، یا علیؑ بیا

من کندہ ام برائے اثر داری سخن
نادِ علی بہ لوحِ دلم، یا علیؑ بیا

در ایں فضائے سختیِ آشوب جا بجا
گرداں نجف سنہ بہم، یا علیؑ بیا

ہستم نصیر اگرچہ یکی خوشنوا ولیک
من قنبرت بہ فیضِ توام، یا علیؑ بیا

☆☆☆☆☆

نیازِ بندگی پر ناز کرنا
ہُوا انجام کا آغاز کرنا

عمل نے عِلم سے پائی اِقامت
عمل کو عشق میں مُمتاز کرنا

یہی کچھ علم کی تاب و تواں ہے
جہالت کو سِپر انداز کرنا

سکھایا ہے یہ کس ناطق نے آخر
سکوتِ فکر کو آواز کرنا

وفا آئینۂ حرمت بنی تب
خرد کو آگیا اعزاز کرنا
ولا میں دل کو دل سے راہ نکلی
مودت کو مودت ساز کرنا
یہی شافی ہے مہمانی کہ اب تو
دعا سے دعوتِ شیراز کرنا
مری مدحت نوائی کی روش پر
مجھے تم شاملِ اعزاز کرنا
زہے قسمت کہ یہ قسمت نصیرم
مرے دل کا نجف پرواز کرنا

☆☆☆☆☆

داورِ خلقت خُدا ہے، مظہرِ داور علیؑ
باعثِ کوثر محمدﷺ، وارثِ کوثر علیؑ

دیکھنا ہاں دیکھنا توحید افزائی کا شوق
جزو سے کُل ہے فروزاں، ظاہر و اظہر علیؑ

دیکھنا آئینۂ کُبریٰ و صُغریٰ دیکھنا
دین کا مصدر نبیؐ اور دین سر تا سر علیؑ

آمرِ کُل، اُمرِ کُل، مامورِ کُل مولائے کُل
ممکنِ شایاں سبھی کچھ، شانِ حق پرور علیؑ

ارتضیٰ، قرآں حشم، نخوت شکن، نعمت پناہ
خیر کا مخزن بھی ہے، احسان کا دفتر علیؑ

حق علیؑ کی راہ پر ہے اور علیؑ حق کی طرف
روشنی اے روشنی تیرے لیے محور علیؑ

مرتبہ دانی میں ہیں یہ مسجد و منبر بہم
نازشِ مسجد علیؑ ہے رازقِ منبر علیؑ

اس غرض سے منقبت یہ لکھ رکھو بس اے نصیرؔ
خوش رکھیں تم کو مثالِ بُوذر و قنبر۔ علیؑ

☆☆☆☆☆

قُل کفٰی تقُل کفٰی علیؑ میرے
اِنّما اِنّما علیؑ میرے

ایک ضربت عبادتِ آفاق
لافتیٰ لافتیٰ علیؑ میرے

ہیں زمان و مکاں کے رزق رساں
ہَل اَتیٰ ہَل اَتیٰ علیؑ میرے

مُرسلِ مُرسلاں امامِ اُمَم
مرشد الاوصیا علیؑ میرے

کعبہ آگہی نمازِ یقیں
قبلہ ارتقا علیؑ میرے

حُسن کی ابتدا محمدﷺ ہیں
عشق کی انتہا علیؑ میرے

مالکِ ملک و آمرِ خلقت
یا محمدﷺ ہیں یا علیؑ میرے

سیّد الصُّلح ہیں رسولِ کریم
سیّد المعرکہ علیؑ میرے

سب وسیلے ہیں مقتدی اُن کے
سب کے ہیں مقتدا علیؑ میرے

حلقۂ خواجگاں کی نسبت سے
ہیں صراط الھُدیٰ علیؑ میرے

یہ مِری حاضری حضوری ہو
رنگ دیں التجا، علیؑ میرے

سب کے مولا ہوئے نصیرؔ ہوئے
میرے حاجت روا علیؑ میرے

☆☆☆☆☆

علی کا ذکر کیا اور آگہی پائی
کہاں کہاں نہ وسیلے کی ہم رہی پائی

وہ ہم رہی کہ جو راسخ رکھے ہے شوقِ سفر
قدم اُٹھاتے ہی تائیدِ قنبری پائی

سو قنبری سے جو ترکہ ملا مُسافت کا
نظر کُشادہ ہوئی فکرِ بوذری پائی

بہ طرزِ بوذری پائی ہے نسبتِ مولا
اسی ریاضتِ نسبت سے میثمی پائی

وہ میثمی جو سرِ دار مدحتاً گزری
اسی کے رُشد سے توفیقِ شاعری پائی

یہ مدح گستریٔ خیر کا شرف ہے نصیر
دیارِ اجر میں جاگیرِ زندگی پائی

☆☆☆☆☆

(برزمینِ ناسخ لکھنوی)

دل سیر چشم کیا ہو گدائے امیر کا
لبریز ابھی ہوا نہیں کاسہ فقیر کا

نعتِ نبیؐ کفیل ہے اجرِ کبیر کی
مدحِ علیؑ میں سود ہے خیرِ کثیر کا

گنجینۂ رسولِ کرم سینۂ علیؑ
آئینہ ہے رسولؐ، خدائے ضمیر کا

معراجِ نُور نے شبِ ہجرت خبر کیا
اِجلالِ نفس کیا ہے سراجِ منیر کا

یک جا ہوئے ہیں دوشِ نبیؐ پائے مرتضیٰ
پایہ بھی اَوج پر ہے مرے دستگیر کا

منبر سے وہ خطابِ سَلُونی شکوہ میں
احوال دیدنی ہے لَدُنّی سریر کا

آثار میں غدیر کا رُتبہ محیط ہے
مکّہ غدیر کا ہے مدینہ غدیر کا

لفظ علیؑ کا تابعِ عاجز ہوا ولی
یہ رُخ بھی دیکھ صاحبِ صولت پذیر کا

ملکِ ادب میں مدحتِ مولائے خشک و تر
خطّہ ہے لاکلام، انیسؔ و دبیرؔ کا

بارے نجف کی آس نے نسبت کے ذیل میں
حصّہ الگ رکھا ہے تُرابی نصیرؔ کا

☆☆☆☆☆

دھمّال

دمادم یا علی حیدر   میرا مولا علی حیدر

علی اکمل علی کامل
علی جادہ علی منزل
علی دریا علی ساحل
علی کشتی علی لنگر
دمادم یا علی حیدر

خدا راضی علی راضی
علی میزاں علی قاضی
علی فردا علی ماضی
نہیں کوئی علی ہمسر
دمادم یا علی حیدر

علی عالی علی اعلا
علی اولا علی مولا
علی والی علی والا

علی ہر حال میں برتر
دمادم یا علی حیدر

علی کلمہ علی کعبہ
علی زم زم علی بطحا
علی قبلہ علی سجدہ

علی مسجد علی منبر
دمادم یا علی حیدر

علی غازی علی میداں
علی بیلی علی نگراں
علی قاری علی قرآں

علی نقطہ علی محور
دمادم یا علی حیدر

علم اونچا علیؑ والا
گھنا سایا علیؑ والا
کھلا رستا علیؑ والا

کھلے گا یہ پسِ محشر
دمادم یا علیؑ حیدر

وصیٔ احمدِ مرسل
وہ بعدِ مصطفیؐ افضل
ولی آخر ولی اوّل

وہ شہرِ علم کا ہے در
دمادم یا علیؑ حیدر

ولایت ہے ترے گھر کی
شہادت ہے ترے گھر کی
شفاعت ہے ترے گھر کی

ترا چہرا لبِ کوثر
دمادم یا علیؑ حیدر

تری مشکل کشائی ، حق
تری فرماں روائی ، حق
تری یہ حق نمائی ، حق

عجائب کا عجب دفتر
دمادم یا علیؑ حیدر

وہ ضربِ حیدری ، یاھو
وہ بابِ خیبری ، یاھو
وہ زورِ صفدری ، یاھو

علیؑ تنہا علیؑ لشکر
دمادم یا علیؑ حیدر

علیؑ جگنی چلے دم دم
علیؑ مستی رہے چھم چھم
علیؑ جھولی بھرے جم جم

خزانوں کا سخی افسر
دمادم یا علیؑ حیدر

کہاں کوئی علیؑ ثانی
علیؑ خشکی علیؑ پانی
خدا خوفی علیؑ دانی

سراپا مرضیٔ داور
دمادم یا علیؑ حیدر

علیؑ ہر جا علیؑ یک سُو
علیؑ رنگت علیؑ خوشبو
علیؑ خوشیاں علیؑ آنسو

علیؑ دل جُو علیؑ دلبر
دمادم یا علیؑ حیدر

نصیبوں سے لگے پھیرا
فقیروں کا نجف ڈیرا
رہے نادِ علیؑ گھیرا

یہی تکیہ یہی چھپر
دمادم یا علیؑ حیدر

امامی تو صحابی تو
زمیں پر آفتابی تو
تُرابی بُو تُرابی تو

کرم تیرا ہے سب پر
دمادم یا علیؑ حیدر

☆☆☆☆☆

میں تیرے پاس جو آیا ہوں ہار کر مولا
مجھے اُداس نہ رکھ، شرمسار کر، مولا!

مجھے نفَس کے مراحل نے خستہ حال رکھا
تو اپنے فضل سے میرا حصار کر مولا

کوئی وسیلہ مری گردشوں سے پیدا کر
مرے ستاروں کو تو مت شمار کر مولا

بہت گزر چکے مجھ پر ملال کے موسم
مری بہار کو آخر بہار کر مولا

لبوں کی پیاس بجھا موجِ ہمنوائی سے
دلوں کا سوز و گداز آشکار کر مولا

یہاں وفا ہی شکستِ وفا کے دَرپے ہے
اِس امتحان میں مجھے کامگار کر مولا

تمام عمر گزاری ہے بندشوں میں مگر
مرے نصیب کو اب واگزار کر مولا

نکل کے زغمِ بشر سے تری پناہ کی سمت
میں آ رہا ہوں، مرا انتظار کر مولا

میں تیرے دَر کے سوا اور کس طرف جاؤں
ترا گدا ہوں، مرا اعتبار کر مولا

یہاں تو ہر کوئی فریاد کے سرور میں ہے
مجھے قریب بُلا تو، پکار کر مولا

☆☆☆☆☆

دُرِّ مکنُون

حاجبہ ثاقبہ، سلام سلام

جائزہ فائزہ، سلام سلام

سیّدہ جیّدہ، سلام سلام

دُرِّ مکنونِ معدنِ تمہید

خانۂ سعد کوکبِ توحید

باطنہ ظاہرہ، سلام سلام

اے کہ حجّت برائے حبلِ متیں

اے کہ تسبیحِ شکر، رزقِ یقیں

صادقہ رازقہ، سلام سلام

رمزِ اکملِ ہاجرہ و مریمؑ
سربسرِ فوزیہ خدیجہ شیم
آمنہ ضامنہ، سلام سلام

ورقِ اصطفیٰ بہ شانِ رسولؐ
بستہ ارتضیٰ بہ شکلِ نزول
عالیہ والیہ، سلام سلام

خطِ قوسینِ شبر و شبیر
بابِ اسبابِ کوثر و تطہیر
وارثہ ثالثہ، سلام سلام

اے مودت کی شرطِ اجرِ مآل
اے رسالت کی آبروئے سوال
راضیہ مرضیہ، سلام سلام

حفظِ سُنّت کی ابتدائے تپاک
اے لَدُنی مقال، رُوحی فداک

عالمہ کاملہ، سلام سلام

کاشفِ نص و پردۂ دایم
حق ترا پیشِ حق رہا قایم

دایمہ قایمہ، سلام سلام

اے کہ نعمت نہاد فضل تمام
اے مدارِ جزا و عدل مقام

عادلہ باذلہ، سلام سلام

اے کہ بس تا ابد سلام و دُرود
بے عدد با صمد سلام و دُرود

رافعہ نافعہ، سلام سلام

اے کہ حاضر بوقتِ قتلِ پسر

اے کہ ناظر میانِ کرب سفر

حاضرہ ناظرہ، سلام سلام

اے سکینہؑ کی جدۂ مظلوم

مادرِ صبر و ہمتِ کلثومؑ

زینبؑ معرکہ، سلام سلام

اے سبیلِ نجات و خیرِ کثیر

وقت کا انتظار اور نصیر

باصرہ ناصرہ، سلام سلام

☆☆☆☆☆

صلِّ علیٰ کہ اُسوۂ عصمت بتولؑ ہیں
یہ اپنی نسبتوں کی بہ نسبت بتولؑ ہیں

مانا ادائے اجرِ رسالت ولائے آلؑ
لیکن بنائے اجرِ رسالت بتولؑ ہیں

تفصیل جس کی آیۂ تطہیر میں نہاں
وہ مملکۂ خلاصۂ حرمت بتولؑ ہیں

نسلِ نبیؐ سے سورۂ کوثر کی برتری
اِس برتری کی بائے بشارت بتولؑ ہیں

اے قاریٔ حدیثِ کسا یہ اُفق بھی دیکھ
سیارۂ مدارِ شہادت بتولؑ ہیں

آتی ہے سمتِ غیب سے آواز برملا
حقّا کلیدِ شفاعت بتولؑ ہیں

کیوں فکرِ عاقبت ہو تُرابی نصیر کو
ضامن علیؑ ہیں وجہِ ضمانت بتولؑ ہیں

☆☆☆☆☆

سَفرنَامَہ

پیدا اُفق پہ چاند کی جب تیرگی ہُوئی
ہر دل مدینہ ہوگیا وہ روشنی ہُوئی

ہر ذہن بھی نجف ہُوا اس روشنی کے بعد
زور آشنائے سیف و قلم آگہی ہُوئی

اور پھر ہر آنکھ ہوگئی میزانِ کربلا
تصدیقِ تنگ ظرفی و دریا دلی ہُوئی

پھر کاظمین ہوگیا اس روشنی کا نام
پوشاکِ تیرگی کفنِ تیرگی ہُوئی

پھر قصۂ طلوع ہوا طوس سے شروع
صبر و رضا سے گرمِ سفر روشنی ہوئی

جاری ہے روشنی کا سفر سامرہ سفر
ہر سانس اِس کی راہ میں گویا صدی ہوئی

صبحِ ازل سے شامِ ابد تک نفس نفس
رفتارِ روشنی میں نہ مطلق کمی ہوئی

یہ روشنی محیط ہے آفاق پر نصیر
ہر تیرگی پہ ضرب یہی روشنی ہوئی

☆☆☆☆☆

ے مراد تیسری شعبان، ولادت باسعادت حسینؑ ابن علیؑ

مِیثاقِ اَزل

بہرِ محضر ہوئی جب بخششِ منعم آغاز
کوئی مضطر تھا کہ دے صنعتِ اِکسیر مجھے

کوئی ارماں تھا کہ ہو ساری رعیت میری
کوئی خواہش تھی عطا کر حدِ تسخیر مجھے

کوئی حاجت تھی فقط لوح و قلم کا ورثہ
کوئی حسرت تھی کہ ہر بول میں تاثیر مجھے

کوئی کوشاں کہ نہ ہو نام میں نامی مجھ سا
کوئی خواہاں کہ نہ ہو کام میں تاخیر مجھے

اک صدا آئی خزانوں کی ہو وافر نعمت
اک صدا آئی کہ جاگیری جاگیر مجھے

تھی صداؤں میں صدا یہ بھی کہ اے ربِ کریم
سارے نسخوں سے جدا نسخۂ تدبیر مجھے

کوئی چاہے کہ بنوں آئینہ ساماں تنہا
کوئی چاہے کہ بنا حُسنِ طرح گیر مجھے

کوئی آواز تھی ہر شاخ ہو موسمِ میرا
فصل سے فصل میں زحمت نہ ہو تغیّر مجھے

کوئی آواز تھی ہر حال ہو خوشِ کامی کا
خواب اوروں کے لیے خواب کی تعبیر مجھے

کوئی بولا کہ مجھے والیٔ کنعاں کر دے
کوئی بولا کہ ملے جوہرِ شمشیر مجھے

کوئی کہتا کہ رہوں ناظمِ تنویر تو میں
کوئی کہتا کہ سمجھ کاشفِ تقدیر مجھے

ایک خلقت تھی کہ مشغول طلب گاری تھی
میں کہ خاموش تھا درکار تھی توقیر مجھے

بول تو بھی تو ذرا بول یہ منعم نے کہا
دیکھ کر مجمعِ اغراض میں تصویر مجھے

میں ابھی بولنے والا تھا کہ پہلو سے نصیرؔ
دل مرا بول پڑا، بس غمِ شبیرؑ مجھے

☆☆☆☆☆

یہ ہے مجلسِ شہِ عاشقاں کوئی نقدِ جاں ہو تو لے کے آ
یہاں چشمِ تر کا رواج ہے، دلِ خوں چکاں ہو تو لے کے آ

یہ فضا ہے عنبر و عود کی، یہ محل ہے وردِ دُرود کا
یہ نمازِ عشق کا وقت ہے کوئی خوش اذاں ہو تو لے کے آ

یہ جو اک عزا کا شعار ہے یہ عجب دعا کا حصار ہے
کسی نارسا کو تلاش کر، کوئی بے اماں ہو تو لے کے آ

یہ حضور و غیب کے سلسلے یہ مدارِ عشق کے مرحلے
غمِ رائیگاں کی بساط کیا غمِ جاوداں ہو تو لے کے آ

یہ علَم ہے حق کی سبیل کا یہ نشاں ہے اہلِ دلیل کا
کہیں اور ایسے قبیل کا کوئی سائباں ہو تو لے کے آ

سرِ لوحِ آب لکھا ہوا کسی تشنہ مشک کا ماجرا
سرِ فردِ ریگ لکھی ہوئی کوئی داستاں ہو تو لے کے آ

ترے نقشہ ہائے خیال میں حدِ نینوا کی نظیر کا
کوئی اور خطۂ آب و گِل تہِ آسماں ہو تو لے کے آ

کبھی کُنجِ حُر کے قریب جا، کبھی تا بہ صحنِ حبیب جا
کبھی سوئے بیتِ شبیب جا، زرِ ارمغاں ہو تو لے کے آ

میرے مد و جزر کی خیر ہو کہ سفر ہے دجلۂ دہر کا
کہیں مثلِ نامِ حسینؑ بھی کوئی بادباں ہو تو لے کے آ

میں وہ حال ہوں کہ بحال ہوں مرے فرقِ فَر پہ کُلاہ رکھ
میں صراطِ خِر کا ہوں راہرو، کوئی ہفت خواں ہو تو لے کے آ

نہ انیسؔ ہوں نہ دبیرؔ ہوں میں نصیرؔ صرف نصیرؔ ہوں
مرے ظرفِ حرف کو جانچنے کوئی نکتہ داں ہو تو لے کے آ

☆☆☆☆☆

(بر زمینِ میرانیس)

خدائے رزق عیاں کر نہاں خزینوں کو
ہنر نمائی کی توفیق دے زمینوں کو

گہر فشانیٔ اشکِ عزا کا محرم کون
نگینہ کار ہی سمجھیں گے اِن نگینوں کو

گزر رہا ہے ابھی تک گروہِ تشنہ لباں
سو ہم نے آنکھوں میں رکھا ہے آبگینوں کو

یمِ فرات رواں ہے میانِ دیدہ و دل
نہ دامنوں کو خبر ہے نہ آستینوں کو

سپاہِ علم نے تسلیمِ جاں کے عنواں سے
علَم یقیں کا دیا ہم سے بے یقینوں کو

مودّتوں کی گرہ میں ہے نقدِ خیر و ثواب
دلوں کا حال کھلا دیکھ کر جبینوں کو

پیامِ دوست میں دعوت تھی نصرتِ حق کی
دیا مکانوں نے اذنِ سفر مکینوں کو

انھی پہ ختم ہے حُسنِ ادا کا حُسن تمام
حسینؑ لائے تھے مقتل میں حسن حسینوں کو

غبارِ تیغ و سناں میں جو بجھ گیا سرِ شام
اسی چراغ نے روشن رکھا ہے سینوں کو

کُھلا ہے ڈوب کے یہ رازِ ہم کنارئ بحر
کس آبرو سے کنارا مِلا سفینوں کو

جو آب ہے مرے مشکیزۂ سخن میں نصیرؔ
نظر ملے تو نظر آئے سطحِ بینوں کو

☆☆☆☆☆

(برزمینِ شہید یارجنگ)

نہ شورِ خاک نہ اب زورِ آسماں کوئی
سُنو کہ ہم سفرِ جاں ہے کارواں کوئی

وہ کارواں کہ ہے جادہ ازل اَبد جس کا
نہیں ہے فاصلۂ غیر، درمیاں کوئی

یہ میرا دل ہے کہ تشنہ لبوں کا خیمہ ہے
یہ میری آنکھ ہے یا دجلۂ رواں کوئی

یہ میرا دن ہے کہ پیکارِ خار و گل کی نمود
اِدھر بہار کوئی اُس طرف خزاں کوئی

یہ میری شام ہے ایسی کہ دور تک گویا
ہوائے دشت کی زنجیر میں دھواں کوئی

یہ مری شب ہے کہ ویرانیوں کا گوشہ ہے
سوائے صبر نہیں سر پہ سائباں کوئی

یہ سائیں سائیں بیاباں یہ سر کھلے سادے
سُنا رہا ہے قیامت کی داستاں کوئی

کدھر گئے وہ مسافر وہ آبروئے سفر
بجھے چراغ، ڈھلی رات، اب کہاں کوئی

یہ رُخ سفر کا ذرا چشمِ احتیاط سے دیکھ
نہ دیکھا ہوگا سماں ایسا خونچکاں کوئی

یہ مُختصر حرب ہے رن میں مگر نہیں یہ تو ہے
اسیرِ پیر کا دلبندِ نوجواں کوئی

یہ سُرخ پوش ہے یا اِک نہالِ کشتِ مراد
ہجومِ تیغ میں نکلا ہے گل فشاں کوئی

اُٹھا وہ شور کہ دریا بھی یاد کرتا ہے
جلا کے رہ گیا ساحل پہ کشتیاں کوئی

وہ ماجرائے سکوتِ سپردگی بھی تو سُن
جو کہہ رہا ہے اشاروں سے بے زباں کوئی

پسِ غبارِ قضا دیکھ ناقۂ دوراں
یہ آ رہا ہے مسیحا کہ سارباں کوئی

سلام شاموں کا اُس پر سلام راتوں کا
چمک رہا ہے ستارہ سرِ سناں کوئی

دُرود لمحوں کا اُس پر دُرود صدیوں کا
کہ دل میں ٹھہرا ہے جانِ پیمبراں کوئی

نصیر مدحتِ جانِ پیمبراں کے لیے
کہاں سے لائے زبانِ فرشتگاں کوئی

☆☆☆☆☆

زہے وہ چشم کہ جو شرحِ صدر کرتی ہے
پئے حُسینؑ فقط اشک نذر کرتی ہے
بغیر نقدِ سرشک اک زیاں ہے عمر اپنی
بقدرِ غم یہ طلب اپنا اجر کرتی ہے
دلِ شکستہ جو چپ ہے تو آہِ سوزاں بھی
زمیں کو گرد تو گردوں کو ابر کرتی ہے
حدِ فرات سے نکلی تو چشم چشم یہ موج
حدیثِ تشنہ دہانی کو نشر کرتی ہے

یہ کم مثال حوالہ بھی کربلا سے مِلا
مُسافروں پہ زمیں کتنا جبر کرتی ہے

چراغِ خیمہ بجُھایا تو ہوگیا روشن
کہ روشنی ہی اندھیروں کی قدر کرتی ہے

یہ رازِ حُسنِ بقا حُرؑ کے فیصلے سے کُھلا
کہ زیست ایک ہی لمحے پہ حصر کرتی ہے

ذرا سی دیر میں اصغرؑ بھی ہو گئے اکبرؑ
خطِ ہلال کو گردش ہی بدر کرتی ہے

گلو کہ باخبرِ طوق تھا سو اُف بھی نہ کی
کہاں سُنا تھا کہ آواز صبر کرتی ہے

نصیرؔ اُس شہِ تشنہ لباں کی خدمت میں
سلام مُستقلاً روحِ عصر کرتی ہے

☆☆☆☆☆

(بر زمینِ مرزا غالبؔ)

کوئی بولو یہ ماجرا کیا ہے
کربلا بعدِ کربلا کیا ہے

آنسوؤں سے ہے آبرو شاید
کچھ ملا ہے صلہ، گیا کیا ہے

گرچہ بے متاعِ اشکِ عزا
ایسے جینے سے فائدہ کیا ہے

دل سمجھتا ہے غم کی دلداری
دل سے پوچھو یہ سلسلہ کیا ہے

کربلا ہی سے آشکار ہُوا
آدمی کیا ہے اور خدا کیا ہے

وہ نظر سُوئے نہر کیا کرتے
تھی خبر اُن کو ماورا کیا ہے

حُر کا یہ مرحلہ تو حُر جانے
قُرب کیوں کر ہے فاصلہ کیا ہے

شمع بجھتے ہی ہو گیا روشن
بے ادائی ہے کیا ادا کیا ہے

صبحِ عاشور عید ہے کیسی
بعدِ عاشور رتجگا کیا ہے

دیکھ چھوٹی سی ایک مشک ہے کیا
سوچ پھر مشک سے وفا کیا ہے

ایک بے کس کا صبر ہے کیا شے
ایک بے حال کی دعا کیا ہے

مختصر ایک سجدۂ آخر
اس کے آگے کہو سوا کیا ہے

اے مورخ بتا پسِ عاشور
جل چکا کیا ہے اور بچا کیا ہے

کچھ غلافِ حرم سے کم تو نہیں
سرِ زینب کی یہ ردا کیا ہے

یہ جو دربارِ جور میں ہیں حرم
اب مشیت کا فیصلہ کیا ہے

میں سلامی ہوں جن کا وہ بھی نصیر
"کاش پوچھیں کہ مدعا کیا ہے"

☆☆☆☆☆

نہیں ہے کوئی بھی کہنے کو مرتضیٰؑ کی طرح
کہیں ہے عبد کی صورت کہیں خدا کی طرح

علیؑ کو رہنا ہے ہر حال سر بلند کہ وہ
نبیؐ کے دوش پہ کعبے میں ہے دعا کی طرح

لہو کی رَو میں وفا تھی تو دیکھنا ٹر کو
اُدھر سے آیا اِدھر موج پر ہوا کی طرح

عجیب لوگ تھے اے دشتِ نینوا تیرے
گلے ملے بھی قضا سے تو آشنا کی طرح

غمِ حسینؑ نے آباد کر دیا ورنہ
اُجڑ ہی جاتی یہ دنیا بھی کربلا کی طرح

چلے جو عابدِؑ بیمار قافلہ لے کر
صدا یہ آئی گزر جاؤ انبیا کی طرح

کسی کو خواہشِ منزل ہو گر تو آئے نصیرؔ
نجف کی راہ میں رہتا ہوں نقشِ پا کی طرح

☆☆☆☆☆

(بر زمینِ میر انیس)

نفس کیا ہم اہلِ زیاں کھینچتے ہیں
لکیریں سرِ ریگِ جاں کھینچتے ہیں

جو اکبرؑ خطوطِ اذاں کھینچتے ہیں
شبیہِ شہِ مرسلاں کھینچتے ہیں

قلم یوں ہے سرگرم رزمِ سخن میں
کہ جیسے کماں کش کماں کھینچتے ہیں

انہی مجلسوں سے ہوا آشکارا
پرندوں کو کیوں آشیاں کھینچتے ہیں

وہی جن کے دَر پر ہجومِ بہاراں
خزاں کے ستم بے خزاں کھینچتے ہیں

ریاضت تو دیکھو کہ خود غنچہ و گل
لہو سے حدِ گلستاں کھینچتے ہیں

سمجھتے ہیں جو چاکِ دل کی رسائی
وہ کانٹوں سے دامن کہاں کھینچتے ہیں

وہ دیکھو چلا حُر سُوئے میرِ کوثر
زمینوں کو یوں آسماں کھینچتے ہیں

عجب بے ردائی و بے خیمگی ہے
کہ سائے جہاں سائباں کھینچتے ہیں

نصیر اس سفر سے پریشاں نہ ہونا
عذابِ ہوا بادباں کھینچتے ہیں

☆☆☆☆☆

(برزمینِ میرانیس)

کمال اے غمِ تشنگاں کر دیا
کہ مژگاں کو تو نے زباں کر دیا

محرم نے صرف آنسوؤں کو نہیں
مری طبع کو بھی رواں کر دیا

عجب طائرانِ مدینہ تھے وہ
سپردِ خزاں آشیاں کر دیا

یہ اندھیر ہے شامِ دشتِ بلا
چراغوں کو تو نے دھواں کر دیا

جلے جن کے خیمے وہ دل میں بسے
خرابی نے دل کو مکاں کر دیا

گلِ باغِ زہرؑا ترے رنگ نے
بیاباں کو بھی گلستاں کر دیا

یہ کس کی جبیں سجدہ پیرا ہوئی
یہ کس نے اذاں کو اذاں کر دیا

شہادت نے یوں بھی سفر طے کیا
کہ اصغرؑ کو پل میں جواں کر دیا

سرِ حُرؑ کو زانو پہ شہؑ نے رکھا
زمیں سے قریں آسماں کر دیا

صفِ ظلم دیکھ ایک مظلوم نے
ترا کرّ و فر رائیگاں کر دیا

پسِ کربلا عابدِ زار نے
ہر اک سانس کو امتحاں کر دیا

بہت کچھ تھا کہنے کو اے مجرئی
وہ کیا کم ہے جو کچھ بیاں کر دیا

بہ فیضِ انیسؔ اِک تُرابیؔ نے بھی
زمینوں کو لو پھر گراں کر دیا

☆☆☆☆☆

(برزمینِ میر انیسؔ)

جو بندگانِ خُدا نام پر خُدا کے چلے
فُرات و نیل میں بھی راستا بنا کے چلے

ریاضِ مجلسِ سرّورؔ بھی ہے عجب کہ جہاں
خزاں بھی آئے تو دامن بچا بچا کے چلے

اُنہی کے دم سے رواں ہے یہ کاروانِ حیات
خود اپنی راہ میں جو فرشِ خوں بچھا کے چلے

ہُوا ہے یوں بھی تسلسُل سے روشنی کو فروغ
جلانے آئے چراغ اور گھر جلا کے چلے

یہی گھرانا ہے جو انبیاء کے کام آیا
اِسی گھرانے سے سب کام کبریا کے چلے

رہے نہ پیچھے جوانوں سے طفل بھی رَن میں
ملے تھے دل تو قدم سے قدم ملا کے چلے

عجیب حال تھا آلِ نبیؐ کا بعدِ حسینؑ
کہ خوں بہانہ لیا اشکِ خوں بہا کے چلے

بیانِ صدق سے ہلچل سی ہے سرِ دربار
اسیرِ کرب و بلا فیصلہ سُنا کے چلے

نصیر دیکھو زمینِ انیسؔ ہے یہ زمین
"چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے"

☆☆☆☆☆

(برزمینِ میر وحید)

سلامی فصلِ بیاں خوش بیاں اُٹھاتے ہیں
اِسی زمین سے ہم آسماں اُٹھاتے ہیں

حسابِ نطق میں لعل و گہر ہیں حرفِ عزا
یہ خرچ وہ ہے جسے قدرداں اُٹھاتے ہیں

نکلیں گے جوہریانِ ہنر کے سامنے کیا
جو چھلنیوں میں بھی ریگِ رواں اُٹھاتے ہیں

متاعِ دل یونہی کرتے نہیں حوالۂ غیر
مکیں کا جائزہ لے کر مکاں اُٹھاتے ہیں

کسی قیامتِ موسم میں طائرانِ نجف
نہالِ صبر سے کب آشیاں اُٹھاتے ہیں

یہ رخ بھی دیکھا ہے تاریخ نے سرِ میداں
جری علَم نہیں دیوارِ جاں اُٹھاتے ہیں

یہ رسمِ سوز بھی مردانِ حق کلام سے ہے
کہ ہر صدا کو بہ طرزِ اذاں اُٹھاتے ہیں

ہوائے شام کی یہ تیزیاں یہ تُند روی
چراغِ خانہ نشیں سختیاں اُٹھاتے ہیں

زمینِ عیش رواں دیکھ کر بھی لوگ نصیر
قدم اُٹھاتے ہیں اور رائیگاں اُٹھاتے ہیں

☆☆☆☆☆

مجرئی جوہرِ قرطاس و قلم کھلتے ہیں
طبل بجتا ہے، قلمرو میں علَم کھلتے ہیں

شرحِ خونِ شہدا تشنۂ مضموں ٹھہری
رنگ احساس کے الفاظ میں کم کھلتے ہیں

آمدِ ماہِ محرّم سے گھروں میں اپنے
درِ فردوس کی صورت درِ غم کھلتے ہیں

یہ بھی اسرارِ دعا بر سرِ مجلس ہی کھلے
لب کھلیں یا نہ کھلیں بابِ کرم کھلتے ہیں

غنچہ و گُل بھی کوئی چشمِ عزا ہیں گویا
بند ہوتے ہیں جو بے آب تو نم کُھلتے ہیں

دل کے جاگ اُٹھنے سے جاگ اُٹھتی ہیں آنکھیں اپنی
چشم و دل فرطِ مودّت میں بہم کُھلتے ہیں

دل میں رستا ہو تو اک شب کی مُسافت ہے بہت
سر میں سودا ہو تو پھر نقشِ قدم کُھلتے ہیں

رخصتِ حُر بھی عجب سلسلۂ رخصت ہے
معنیٔ حُجتِ غزالانِ حرم کُھلتے ہیں

اِک طرف جادۂ رَے ایک طرف راہِ اجل
زیست کرنے کے سلیقے اُسی دم کُھلتے ہیں

دشتِ تنہائیِ شبیرؑ سے تا شہرِ رسولؐ
راہ کیا کُھلتی ہے تاریخ کے خَم کُھلتے ہیں

لشکرِ کم نظراں دیکھ سکوتِ اصغرؑ
بے زبانی میں بھی اُسلوبِ سخن کھلتے ہیں

اِن بندھے ہاتھوں کو محتاجِ رسائی نہ سمجھ
انہی ہاتھوں سے تو اسبابِ نِعَم کھلتے ہیں

ہم بھی کم مایہ نہیں ہم بھی انیسی ہیں نصیر
کوئی ہم سا ہی مقابل ہو تو ہم کھلتے ہیں

☆☆☆☆☆

سفرِ تخمین و ظن منزل یقیں ہے
جو کل تک خضر تھا اب وہ خضر نہیں ہے

نہیں اِس دل کا منصب رہ نشینی
یہ دل مثلِ خلیل آتش نشیں ہے

نہ رکھنا یادِ شہؐ سے دل کو خالی
مکاں ہی کیا ہے وہ جو بے مکیں ہے

نہیں ہے قصۂ پیراہن چاک
یہاں آنکھوں کا پردا آستیں ہے

سنو یہ فیصلہ ہے آسماں کا
زمیں تو کربلا ہی کی زمیں ہے

کیا خود وقت کی گردش نے تسلیم
حسینی قافلہ رکتا نہیں ہے

سبیلِ حق ہے بابِ شہرِ شبیرؑ
کہیں بھی جاؤ آنا تو یہیں ہے

غمِ شبیرؑ کی وسعت تو دیکھو
ہر اک غم میں یہ غم صبر آفریں ہے

یہ کس سے کج رُخی اے چشمِ گردوں
ارے زہرؑا کا یہ زُہرہ جَبیں ہے

نصیرا اور باریابی میں تأمّل
نہیں ایسا نہیں ایسا نہیں ہے

☆☆☆☆☆

یہ مُسلسل غمِ شبیرؑ میں گریہ اپنا
یہی مقصدِ وِلا ہے یہی ہدیہ اپنا

ذکرِ مظلوم سلامت علم و مشک بخیر
اِک تعارف ہُوا پھر قریہ بہ قریہ اپنا

ہم فقیروں کا شرف سایۂ دیوارِ نجف
سایہ چادر ہے تو دیوار ہے تکیہ اپنا

خیر و شر اصل میں کیا ہے اِسی حد فہمی سے
کہیں مرہم کہیں نشتر ہے رویّہ اپنا

دل میں ہے مکر و ریا چہرے سے اظہارِ ملال
لوگ کیا خوب بنا لیتے ہیں حُلیہ اپنا

ہاں سنو سُرخیٔ افلاک کے لہجے میں سُنو
کربلا روز سُناتی ہے المیہ اپنا

حُر سے حُر کہہ کے چلا خیمۂ مولا کی طرف
زَر کے سودے میں یہی اب تہیّہ اپنا

لاشِ اکبرؑ کی اُٹھاتے ہوئے کہتے ہیں حُسینؑ
ہو قبولِ رہِ معبود یہ فدیہ اپنا

ہوئے شائستۂ غم جب سے مرے حرف نصیرؔ
خود غزل رکھتی ہے اِک خاص تقیّہ اپنا

☆☆☆☆☆

(برزمینِ آرزو لکھنوی)

کربلائے سخن اب خشک ہے کیسا پانی
چشمِ تر تو ہی ذرا دیر کو برسا پانی

بندشِ آب چٹانوں کا جگر کاٹ گئی
انتہا یہ کہ نشیبوں میں نہ ٹھہرا پانی

یوں رواں ہوتا نہ دریائے کرم شہؐ کا تو لوگ
جھانکتے پھرتے کنوئیں اور نہ ملتا پانی

شہرِ دل ہو گیا آباد غمِ سرورؐ سے
سرزمیں اچھی، ہوا اچھی ہے، اچھا پانی

کس حدِ صبر پہ خاموش تھے انصارِ حسینؑ
لشکرِ شام تو چیخ اُٹھتا، خدارا پانی

کہہ کہ یہ نوش کیا آبِ شہادت حُر نے
ایسے دریا سے تو ہے تیغ کا اچھا پانی

مشک بے آب علمدار کی اور دل سیراب
کہیں قطرہ نہیں پانی، کہیں دریا پانی

کس پزیرائی سے موجوں نے قدم بوسی کی
مقدمِ صاحبِ رایت کا تھا پیاسا پانی

اُس طرف پانی ہی سرچشمۂ جنگ اور اِدھر
مقصدِ رزم تھا کچھ اور بہانا پانی

پیاس میں آنکھ بالآخر جو سکینہؑ کی لگی
خواب میں حدِ نجف تک نظر آیا پانی

سُن کے اکبرؑ کا سخن شہؑ نے بہ حسرت یہ کہا
کہنا سب کچھ مرے پیاسے یہ نہ کہنا پانی

اس قدر ہو گیا محجوب کہ پیشِ اصغرؑ
اپنی صورت بھی دکھانے نہیں آیا پانی

دجلۂ وقت ہی ساکن ہو تو کیا کہیے نصیرؔ
ماہیٔ طبع کو درکار ہے بہتا پانی

☆☆☆☆☆

ہر گزرتے وقت کی زندہ روایت ہے حُسینؓ

اپنی وحدت کے سفرناموں میں کثرت ہے حسینؓ

کلمۂ توحید جس پر تا ابد نازاں رہے

کلمۂ توحید کی ایسی شہادت ہے حُسینؓ

از محمد ﷺ تا محمد ﷺ وارثِ خیرِ کثیر

حق رسائی میں محمد ﷺ کی نہایت ہے حُسینؓ

دیکھ اے تاریخِ اسماعیلؑ اِس زمزم کو دیکھ
داستاں دَر داستاں اپنی نہایت ہے حُسینؑ

مفتیانِ دہر کب سمجھے شریعت کا نفاذ
جو ہوئی نافذ دلوں پر وہ شریعت ہے حُسینؑ

اے نصیرؔ اِس باب میں کہتی ہے خود چشمِ پُرآب
مصرعۂ تر کے لیے کیسی ضرورت ہے حُسینؑ

☆☆☆☆☆

(برزمینِ مرزا غالب)

غمِ شبیرؑ وہ غم ہے کہ چھپائے نہ بنے
آنکھ چھلکائے بنے حال سُنائے نہ بنے

چشمِ دل میں ہے عجیب آمدِ حُر کا نقشہ
ایسا نقشہ ہے کہ کاغذ پہ بنائے نہ بنے

حال اُس دشت کے پیاسوں کا بیاں کیا ہو جہاں
سر پہ بس دھوپ رہی سائے بھی سائے نہ بنے

گہر افشانیٔ شبنم سے یہ احوال کھُلا
گُل بھی گُل رنگ بغیر اشک بہائے نہ بنے

کربلا سے ہوئی زندہ یہ رہ و رسمِ وفا
ہوئے اِک بار جو اپنے وہ پرائے نہ بنے

کس ہوا میں ہے رہا پیشہ شناخوانِ حسینؑ
کیا جمے رنگ جہاں پاؤں جمائے نہ بنے

اک سبک دوشی سے جو بارِ علم لے کے اُٹھیں
اُنہی ہاتھوں سے تہی مشک اُٹھائے نہ بنے

استغاثے کی صدا پر ہوئی ساکت جو ربابؑ
ہاتھ یوں سوئے کہ جھولا بھی جھلائے نہ بنے

کس پس و پیش کی منزل میں ہیں اِس وقت حسینؑ
خیمے تک آئے اور اب خیمے میں جائے نہ بنے

غم پناہی کے لیے دل تو وہی دل ہے نصیر
جو ہر اک چلتے مسافر کی سرائے نہ بنے

☆☆☆☆☆

(بر زمینِ مرزا غالبؔ)

یہ جو مجلس میں اشک باری ہے
یہاں خرچے میں نفع جاری ہے

اے محرّم تری فضا کو سلام
دن ہمارا ہے شب ہماری ہے

یہ مگر ذکرِ کربلا سے کھُلا
ایک غم میں بھی غم گساری ہے

حلقۂ شورِ العطش میں کہاں
وہ جو دریا کو بے قراری ہے

کون پانی کو روکنے والا
پیاس کا جبر اختیاری ہے

ہمہ شب انتظارِ صبحِ وصال
شب نہیں زندگی گزاری ہے

فیصلے کا ہے ایک پل ورنہ
سوچنے کو تو عمر ساری ہے

دو قدم رہ گیا ہے خیمۂ شاہ
جبر پہ یہ وقت کتنا بھاری ہے

لشکرِ ظلم لاکھ ٹوٹ پڑے
کب مظلومیت بھی ہاری ہے

نصرتِ لشکرِ حسینی کا
اِک نشانِ صبرِ شیرخواری ہے

آ گئی یہ بھی منزلِ حجت
اب فقط بے زباں کی باری ہے

اب بھی ہے شانۂ علم پہ بلند
مشکِ غازی نے کب اُتاری ہے

غمِ زینب میں یہ سلیقۂ چشم
کتنا احساسِ پردہ داری ہے

میرے نخلِ ثنا کی قامت میں
بڑی شائستہ آب یاری ہے

مجھ سا عاجز تُرابی منبر پر
یہ تو معراجِ خاکساری ہے

☆☆☆☆☆

(برزمینِ میر انیسؔ)

سلامی تصنّع گوارا نہیں
عزا میں یہ شیوہ ہمارا نہیں

بیاں میں یہ اخبارِ غم خاص ہے
یہاں عام کوئی شمارا نہیں

بیاضِ ولا میں بجز حرفِ حق
جو مضمون ہے وہ دوبارا نہیں

ہوائے ارادت تو گردوں نے بھی
ترا رزق تجھ پر اُتارا نہیں

خبر بھی تجھے کچھ ہے اے خوشہ چیں
یہ مدحت کسی کا اجارا نہیں

وہ دریا ہے دریائے ذکرِ حُسینؑ
جہاں تک بھی جاؤ کنارا نہیں

وہ چہرے تو بے آب ہی رہ گئے
جنہیں آنسوؤں نے نکھارا نہیں

سزا نا سزا کی عجب سرحدیں
خرد ہاں کہے، اسے تخارا نہیں

کہیں زیست کا بھی حوالہ ہے تیغ
اجل ہی کا صرف استعارا نہیں

تمہیں ناز تھا جس پہ حق دشمنو
سو دیکھو کہ وہ بھی تمہارا نہیں

ہے مشک اور دریا کا پھر بھی حساب
وفا کا کوئی گوشوارا نہیں

سفر میں ہیں عابدؑ سلاسل بپا
اب اس کے سوا کوئی چارا نہیں

ثنا گر تو ہم بھی ہیں لیکن نصیر
وہ غرّا نہیں وہ طرارا نہیں

☆☆☆☆☆

(بر زمینِ میر انیس)

غم بقدرِ ظرفِ دنیا رہ گیا
کربلا کا ذکر تشنہ رہ گیا

کیا تھا عہدِ رفتگاں، کیا رہ گیا
کس قدر پیچھے زمانہ رہ گیا

مر کے بھی نکلا محرمِ رازِ حیات
زندگی کے بعد زندہ رہ گیا

بے چراغ ایسی بھی اِک شام آئی تھی
دہر میں جس سے اُجالا رہ گیا

آ گئی گردش میں خود رَن کی زمیں
آسماں اصغرؑ کو تکتا رہ گیا

بجھ گئے سارے ہی خیموں کے چراغ
اَب تو بس خیموں کا جلنا رہ گیا

ایک پیاسی مشک پیاسی رہ گئی
اور دریا سر پٹکتا رہ گیا

عصر تک سر ہو گئی ساری مہم
اَب فقط سجدہ ہی سجدہ رہ گیا

تیر کیا سنتا خموشی کا بیاں
بے زباں تاریخ کہتا رہ گیا

کہہ رہا ہے وقت سے خونِ حسینؑ
تو نے کیا سمجھا، میں ٹھہرا رہ گیا

رُکتے گر عابدؑ تو کہہ سکتا تھا وقت
کارِ شبیریؑ ادُھورا رہ گیا

اُٹھ گئے چھٹ کر غبارِ دشت سے
اِک یہی غربت کا پردا رہ گیا

یہ نسب داری بھی کیا کم ہے نصیرؔ
میرا اِس منبر سے رشتہ رہ گیا

☆☆☆☆☆

یہ جو اکبرؑ اذان دیتے ہیں
حُر کو گویا امان دیتے ہیں

ایک ہی نور ہیں نبیؐ و ولیؑ
فصل کیوں درمیان دیتے ہیں

حرفِ غم سے زمینِ شعر کو ہم
اِک نیا آسمان دیتے ہیں

اُن کو زہرائے مرضیہ کی دعا
وہ جو مجلس کو شان دیتے ہیں

یہ جو روتے ہیں سُن کے نامِ حُسینؑ
فصلِ جاں کا لگان دیتے ہیں

قولِ صادق ہے وصفِ مدحت پر
لامکاں میں مکان دیتے ہیں

استغاثے کی لاج رکھنے کو
بے زباں بھی زبان دیتے ہیں

کیسے بیٹے ہیں کیسی دلداری
ماں کی مرضی پہ جان دیتے ہیں

گھر کے تیغ و سناں میں بھی عباسؑ
مشک ہے جس پہ دھیان دیتے ہیں

کیا تری آبرو ہے دیکھ فُرات
تجھ کو چلّو میں چھان دیتے ہیں

ناتوانی کو شہؑ دمِ رُخصت
فوجِ حق کی کمان دیتے ہیں

اہلِ شر بعدِ عصر زینبؑ کو
آگ کا سائبان دیتے ہیں

ذکرِ زینبؑ پہ اشک آنکھوں میں
ایک پُر داستان دیتے ہیں

میں سلامی ہوں اے نصیرؔ تو وہ
مجھ کو نام و نشان دیتے ہیں

☆☆☆☆☆

(برزمینِ میر مونس)

اے خوشا حال ترا محوِ ثنا کاریٔ حُر
نمکِ خوانِ تکلّم ہے نمک خواریٔ حُر

بار آور ہوئی از بس کہ ریاضت حُر کی
نہرِ عبّاس سے مُلحق ہے زمینداریٔ حُر

ہر گھڑی ایک کڑی منزلِ پیچاں آئی
مجرئی دیکھ نشیبوں میں بھی ہمواریٔ حُر

دمِ گستاخیٔ تکرار سے تا نصرتِ حق
کتنی پُر کار رہی گردشِ پُرکاریٔ حُر

حُر کے اقدام کو تاویل سے مسدود نہ کر
ڈھونڈ تہذیب میں کچھ رقبۂ آثاریٔ حُر

حُر ادائی کی روش پہنچے گی نسلاً نسلاً
کربلا تیرا تبرّک ہے یہ احراریٔ حُر

"کبھی اُٹھا، کبھی بیٹھا، کبھی ٹہلا وہ جری"
شبِ عاشور مراحل میں ہے تیاریٔ حُر

وقت آغازِ گراں، وقت ہی انجام بخیر
صبحِ عاشور ہے یا وقفۂ افطاریٔ حُر

شاہِ بخشش نے جو سینے سے لگایا حُر کو
تشنگی میں بھی ہوا ہو گئی سرشاریٔ حُر

رُوحِ زہراؑ نے دعا کی ہے سرہانے آکر
بنتِ زہراؑ نے بپا کی ہے عزاداریٔ حُر

شہ نے باندھا ہے جو رومالِ تولّیٰ حُر کے
آج مجلس میں رہے جلسۂ دستاریٔ حُر

مجلس افروز ہے اب میرا تعارف بھی نصیرؔ
میرِ مونسؔ کی سفارش سے ہوں درباریٔ حُر

☆☆☆☆☆

اے سلامی سلام ہو تو سہی
نذرِ گُستر کلام ہو تو سہی

کوئی جاگیرِ غم بنامِ حُسینؑ
ہم فقیروں کے نام ہو تو سہی

یہ مشیت ہے یُوں بھی در پردہ
کوئی قائم مقام ہو تو سہی

کربلا برملا ہو طشت از بام
ذکرِ کُوفہ بھی عام ہو تو سہی

سرکشی طرۂ وفا ٹھہرے
حُر سا شہؑ کا غلام ہو تو سہی

کربلا کیا ہے مُشتہر ہو گا
یہ سفر تا بہ شام ہو تو سہی

ق

بولے شبیرؑ صبحِ عاشورہ
حسبِ وعدہ یہ کام ہو تو سہی

آج کے بعد لا اِلٰہ کا رنگ
آج مقتل میں شام ہو تو سہی

ہے شباہت کی دھوم اے اکبرؑ
اب اذاں سے بھی نام ہو تو سہی

ہو چکی گُفتگو تمام اصغرؑ
اِک سُخن لا کلام ہو تو سہی

ق

دل میں عباسؑ کے ہے دجلۂ رزم

بارے اذنِ امامؑ ہو تو سہی

نہر اپنی جگہ نہیں ہو گی

تیغ یاں بے نیام ہو تو سہی

سر بلند ایک سجدہ ہوتا ہے

رَن میں ایسا قیام ہو تو سہی

تا اَبد ذکر و فکر جاری ہے

درد و غم کو دوام ہو تو سہی

اِک سواری گزر رہی ہے نصیر

دور ہی سے سلام ہو تو سہی

☆☆☆☆☆

(بر زمینِ میر انیس)

سلامی زینۂ منبر مجھے بہانا ہوا
کلام اُن سے ہوا بھی تو غائبانہ ہوا

غمِ حسینؑ نے خوش حال کر دیا آخر
سلام میرے لیے اجر کا خزانہ ہوا

میں بے نیاز رہا آسماں کی گردش سے
دمِ دُرود مرے حق میں شامیانہ ہوا

ملے ہیں میثم و مقداد و بوذر و سلماں
علیؑ کی راہ میں منزل سے دوستانہ ہوا

چلا جو حُر تو ہوئی بے حواسِ طاقتِ شر
یہ حُر چلا نہیں، لشکر کوئی روانہ ہوا
وفا کے حال میں تمہید کارگر نہ ہوئی
وفا کا ذکر ہوا بھی تو والہانہ ہوا
کوئی کجی نہیں تاریخ کی مسافت میں
یہ کج روی تو مورخ کا شاخسانہ ہوا
حسابِ صرف میں تشنہ لبی کی بابت سے
فغاں، کہ اشکِ محرّم بھی آبیانہ ہوا
کہوں تو کس سے کہوں نارسائیاں اپنی
نجف کی سمت گئے مجھ کو اک زمانہ ہوا
ہوائے مجلسِ شبیرؑ دل کشا ہے نصیر
"کہ ایک بازوِ کبوتر کا آشیانہ ہوا"

☆☆☆☆☆

ماجرا یہ کہ ماجرا زینبؑ
پھر کہو کون ماسوا زینبؑ

کُو بہ کُو اپنی بے ردائی کے ساتھ
ہیں رسالت کی ضامنہ زینبؑ

صبر کو پردۂ جہاد کیا
مثلِ زہراؑ ہیں سیدہ زینبؑ

کربلا پروری میں بعدِ حسینؑ
کربلا کی ہیں رازق زینبؑ

اپنے خطبے سے بر سرِ دربار
کر چکی حق کا فیصلہ زینبؑ

ایک سجدے سے کربلا زندہ
تجھ سے زندہ ہے کربلا زینبؑ

مسلکِ لا حسینؑ کے دم سے
ہر نفس دم حسینؑ کا زینبؑ

ہر عزا گاہ کہہ رہی ہے نصیر
بانیِ حلقۂ عزا زینبؑ

☆☆☆☆☆

آنکھوں میں آگئی ہے روانی فُرات کی
دیکھے کوئی یہ نقلِ مکانی فُرات کی

یہ جنگِ بدر کیا ہے ورق کربلا کا ہے
یہ رودِ نیل کیا ہے نشانی فُرات کی

اِک تیرِ کج کماں ہے ہواؤں کی داستاں
اِک مشکِ بے نوا ہے کہانی فُرات کی

اِک خلقِ سیر چشم میں میرا بھی نام ہے
کیا بیکراں ہے تشنہ دہانی فُرات کی

اپنے لہو سے نہر کو سیراب کر دیا
کیا اور ہو گی مرتبہ دانی فُرات کی

اب سایۂ وفا میں ہے گُل بارِ شاخِ دل
پہنچی کہاں تک آب رسانی فُرات کی

جب تک لہو میں گرمیٔ توفیقِ حرف ہے
جاری رہے گی تذکرہ خوانی فُرات کی

غلطاں ہو کس خیال کے گرداب میں نصیر
پوچھو فُرات ہی سے گرانی فُرات کی

☆☆☆☆☆

اے ابا الفضلؑ رہی تیری حکومت ایسی
جیسے سُوروں میں حکم سورۂ رحمٰن رہے

تو نے شبیرؑ کی اِس طرح حفاظت کی ہے
یعنی جُزدان کی تحویل میں قرآن رہے

نِیمۂ شعبانُ

زمن حضورم گذر ندارد
بہ حالِ زارم نظر ندارد

خبر ندارم من از دلِ من
دلِ من از من خبر ندارد

ہمہ گمانی بصد گرانی
سحر، شبِ ما، سحر ندارد

فغاں ازیں ہجر، اماں ازیں ہجر
زمانہ تابِ سفر ندارد

بجز انتظارش بجز اعتبارش
نفس نیازِ دگر ندارد

نصیرِ مضطر جوازِ تازہ
کہ آہ وزاری اثر ندارد

☆☆☆☆☆

اِستِغاثہ

اے وارثِ وراثتِ کرّار العجلؑ
اے والیٔ ولایتِ اطہار العجلؑ

مولایت کے خاتمِ اسباب السلام
زہرائے مرضیہ کے رضا کار العجلؑ

صبرِ علیؑ کی وقفۂ غیبت مثال ہے
نصرت کو اب ظہور ہے درکار، العجلؑ

ہنگامِ عصر لمحۂ آخر کے چشم دید
اے سجدہ گاہِ حق کے نگہ دار، العجلؑ

آواز دے رہی ہے تجھے کربلا کی شام
اے صبحِ انتقام کی للکار، العجلؑ

عباسؑ نامدار کو اب ذوالفقار دے
اے ثانیٔ حسینؑ کی سرکار، العجلؑ

اکبرؑ کی لاش اُٹھانے کا ارمان الحفیظ
اصغرؑ کی لاش اُٹھانے کا آزار، العجلؑ

کوفے کے مرحلے بھی قیامت ہیں الحذر
زینبؑ ہے اور زینبِ کرار، العجلؑ

ناموسِ نور پر ہے کڑا وقت، المدد
سیدانیاں ہیں بر سرِ دربار، العجلؑ

اب تک فضا میں ہے کوئی فریاد، الاماں
غلطاں بخوں سکینہؑ کے رخسار، العجلؑ

تشنہ لبی سے ضعف کا احوال الغیاث
زنجیر بستہ، سیدِ بیمار، العجلؑ

یہ بھی ہے انتہائے امانت کی ابتدا
مولاؑ ہیں اور طوقِ گراں بار، العجلؑ

ہم مادرِ حسینؑ کی پیہم دعا ہوئے
ہم سرخرو ہیں ہم ہیں عزادار، العجلؑ

سب صاحبوں کی خیر ہوائے صاحب الزماںؑ
حاجت روائے دہر و مددگار، العجلؑ

ہے حُر کی اقتدا میں ترا منتظر نصیر
سُن لے یہ استغاثہ، اصرار، العجلؑ

☆☆☆☆☆

آوازِ ہمیشگاں

چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سُرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

سراج اورنگ آبادی

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دُور تھا

میر تقی میر

شاید کہ مرا غنچۂ دل آ کے کھلا دے
میں چشم براہ ہوں شبِ ہجراں میں صبا کا

غلام ہمدانی مصحفی

دیکھ کر تجھ کو چمن بس کہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مرزا غالب

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑا اے گردوں
یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے

میر انیس

ہم اور معرکۂ امتحاں سے ٹل جاتے
جواب پاؤں جو دیتے تو سر کے بل جاتے

امیر مینائی

سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

شاد عظیم آبادی

میرے گلو میں ہے اِک نغمۂ جبرئیل آشوب
سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

اقبال

پُوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرتؔ اٹھو، سلام کرو

حسرت موہانی

اپنے دیوانے پہ اتمامِ کرم کر یا رب
درو دیوار دیے ہیں انہیں ویرانی دے

فانی بدایونی

ہوائے کوچۂ قاتل سے بس نہیں چلتا
کشاں کشاں لیے جاتا ہے ولولہ دل کا

یاس یگانہ

یوں تو پیاسے ہیں سبزہ و گُل بھی
کس نے دیکھی ہے پیاسِ شبنم کی

جگر مرادآبادی

ہزار بار زمانہ اِدھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہ گزر پھر بھی

فراق گورکھپوری

مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا

فیض احمد فیض

ایک دو نام تو ایسے درِ زنداں پہ ملے
سر پٹکتی ہوئی گزری ہے بیاباں کی ہوا

عزیز حامد مدنی

تو نے تاروں سے شب کی مانگ بھری
مجھ کو اِک اشکِ صبح گاہی دے

ناصر کاظمی

طلوعِ مہر، شگفتِ سحر، سیاہیٔ شب
تری طلب، تجھے پانے کی آرزو، ترا غم

مجید امجد

آواز کو تو کون سمجھتا کہ دُور دُور
خاموشیوں کا درد شناسا نہیں ملا

مصطفیٰ زیدی



نکل کے زغۂ شر سے تری پناہ کی سمت
میں آرہا ہوں، مرا انتظار کر مولا